AFKĀR *Journal of Islamic & Religious Studies*
Volume 4, Issue 1, June 2020, PP: 187-200
E-ISSN 2616-8588; P-ISSN 2616-9223
www.afkar.com.pk; hjrs.hec.gov.pk

Scan for download

اسلامی تہذیب کو درپیش تحدیات کا تدارک: سیرت النبی کا خصوصی مطالعہ

Rectification of the Challenges Confronted the Islamic Civilisation: A Study of Seerah

Azhar Fareed [1] & Shams ur Rahman [2]
[1] Doctoral Candidate [2] Assistant Professor
Department of Islamic Studies, Imperial College of Business Studies, Lahore, Pakistan

ARTICLE INFO
Article History:
Received 31 May 2020
Accepted 11 July 2020
Online 30 July 2020

DOI:

Keywords:
Islamic Civilization, National Behavior, Seerah Studies, present challenges to Islamic civilization.

ABSTRACT

Civilization is the index of a society. A community is referred to with its norms and culture. The national behavior of any country depends upon its civilization. Thus, today's battlefield does not limit itself to bombs and rockets. But it has extended to overcome the civilization. Therefore, Muslims around the world must stay alert and beware of anti-Islamic civilization attacks from infidels. This article is aimed to highlight the sensitivity and effects of multiple attacks on Islamic civilization. First, the researcher aptly describes the nature of the subject in detail. Afterwards, the need of the topic is outlined with solid arguments and references. The main substance of the article deals with the challenges to Islamic culture and civilization. The researcher presented enough elaboration and hazards of atheism, liberalism and secularism to the Muslim society. The key element of the description is the spotlight on the parallel argument and the drastic effects of these assaults on Islamic civilization. Moreover, the researcher also explains the implication of capitalism and feminism in society. In addition, the article also highlights the promotion of promiscuous attitudes of males and females and the filthy precepts of sexual legitimacy in the Muslim community. In conclusion, the researcher points out the role of media in this context and presents suggestions that are worth and practical to confront the present challenges to Islamic civilization. It is also significant that the article's description is based on the Seerah study, which endorses the importance of Seerah in all times. Today, when the young generation is being lost in the mist of western civilization, such comprehensive research is indispensable and needed.

موضوع کا تعارف

غلبے اور برتری کا جذبہ انسان میں فطری طور پر موجود ہے اور وہ اس کے لیے ہر جائز و ناجائز کام کے لیے ہر وقت تیار رہتا ہے۔ یہ جذبہ افراد سے خاندان، قبیلے، معاشرے اور قوم میں پھیلتا جاتا ہے اور قومی غلبے اور برتری کی وجہ سے یہ جذبہ ریاست و سلطنت سے افراد میں سرایت کر جاتا ہے۔ غلبے اور برتری کے حصول کا طریقہ کار وقت کے ساتھ بدلتا رہتا ہے۔ برتری اور حصولِ طاقت کا یہ طریقہ کار دست بستہ مقابلوں سے تلواروں اور نیزوں کے ساتھ بدلا اور ان ہتھیاروں کی زیادہ سے زیادہ تعداد کے حصول کی کوشش کی جانے لگی۔ صنعتی انقلاب کے بعد شمشیریں اور تیر کمان سمجھے جانے لگے اور ان کی جگہ میزائل اور بموں نے لے لی اور اس قوم کی برتری کو سب نے قبول کر لیا جس کے پاس ان مہلک ہتھیاروں کی تعداد زیادہ تھی۔ وقت کے ساتھ اس نظریہ میں بھی تبدیلی آگئی اور معیشت کو برتری کا علم قرار دیا گیا۔ معاشی استحکام و معاشی ترقی برتری کی وجہ قرار پائی، لہٰذا جو قوم معاشی طور پر زیادہ مستحکم ہوئی، دنیا کی حکمرانی کا تاج اسی کے سر پر سجا دیا گیا۔ معاشی غلبے کے حصول کے لیے اقوام ایک دوسرے کے خلاف نبرد آزما ہو گئیں اور غریب ممالک کے قدرتی و معدنی وسائل پر قبضہ کرنے کے لیے نو آبادیات (Colonialism) کا نظام متعارف کروایا۔ یہ غیر ملکی قابضین ان مقامی افراد کو اپنا غلام بنا کر ان سے قدرتی وسائل کو نکالنے کا کام لیتے اور ان وسائل کو اپنے ملکوں میں منتقل کر دیتے۔ اس کام میں مداخلت کرنے یا رخنہ ڈالنے والے ہزاروں لوگوں کو قتل بھی کیا گیا۔ غلبے کے لیے طریقہ کار کے ساتھ محاذ بھی تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ پہلے پہل نسبی تعصب کی بنیاد پر مدمقابل کو اپنے زیر نگین کرنا مقصد ٹھہرا، پھر مذہبی محاذ پر بڑی بڑی جنگیں ہوئیں، پھر سیاسی محاذ پر ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لیے زیادہ سے زیادہ اقوام پر اپنا تسلط قائم کرنے کی کوششیں کی گئیں جس کے نتیجے میں دنیا نے دو عالمی جنگوں کا سامنا کیا۔ اس کے بعد معاشی محاذ پر مورچے سنبھالے گئے اور دنیا اپنا تدریجی سفر طے کرتے ہوئے دو بلاکس، کیپٹلزم اور سوشلزم، میں تقسیم ہو گئی، اس محاذ پر بھی لاتعداد انسانوں کا خون بہایا گیا۔

عصرِ حاضر میں غلبے کے حصول کے لیے اب جنگ کا محاذ نظریاتی یا مذہبی نہیں بلکہ تہذیبی و تمدنی ہے، اسی کو بنیاد بنا کر سیاسی و معاشی برتری کے حصول کی کوششیں جاری ہیں۔ عصرِ حاضر میں بین المذاہب ہم آہنگی کی جگہ اب بین التہذیبی ہم آہنگی نے لے لی ہے اور اب عالمی سطح پر مذہب سے زیادہ تہذیب و تمدن پر مباحثے ہو رہے ہیں کیونکہ دورِ جدید میں تہذیب و تمدن کی اہمیت مذہب سے زیادہ ہو چکی ہے۔ چونکہ کسی بھی قوم کا اصل اثاثہ اس کی تہذیبی روایات ہوتی ہیں جو اسے دوسری قوموں سے ممتاز کرتی ہیں۔ ان روایات کے حوالے سے ایک فرد بہت ہی حساس ہوتا ہے اور وہ اپنے تمدن کے حوالے سے کسی بھی قسم کی طعن و تشنیع کو برداشت نہیں کرتا۔ اپنے تمدن اور روایات کے تحفظ کے لیے افراد کے پیش نظر معاشی، معاشرتی اور سیاسی رتبہ نہیں بلکہ اپنے ملک کا تشخص ہوتا ہے جس کا تحفظ وہ اپنے ایمان اور حب الوطنی کا تقاضا سمجھتے ہیں۔ تہذیبی و تمدنی روایات کا تحفظ اور اس کا فروغ محض نمائشی نہیں بلکہ یہ انسانی فطرت کا حصہ ہے اور اس کا احیاء اور فروغ بھی انسانی فطرت میں موجود ہے۔

اسلام نے اپنا تعارف بطور ضابطہ حیات اور فطری دین کے کروایا ہے، اس کی تعلیمات قرآن مجید کی صورت میں نازل کی گئیں اور اس کے عملی مظاہرے کے لیے محمد مصطفی ﷺ کو خاتم الرسل ﷺ اور بہترین عملی نمونہ بنا کر مبعوث کیا گیا۔ آپ ﷺ کی ذمہ داری محض مذہبی تعلیمات کی تشریح و توضیح ہی نہ تھی بلکہ ایک ایسی فلاحی انسانی ریاست کی تشکیل بھی آپ ﷺ کی ذمہ داریوں میں شامل تھی جو منشائے

ربانی اور انسانی فطرت کے عین مطابق ہو۔ آپ ﷺ نے ریاستِ مدینہ کی شکل میں اسے قائم فرمایا جو ہر طرح سے اسلام اور اسلامی نظامِ زندگی کی عکاسی کرتی تھی۔ یہ ریاست عملی طور پر اس وقت موجود تمام ریاستوں اور سلطنتوں سے بالکل مختلف تھی۔ یہاں مذہبی فرائض اور روایات پر سختی سے عمل کیا جاتا تھا۔ نماز، روزہ، صدقات، زکوۃ، حج اور جہاد کے لیے ہمہ وقت تیار رہا جاتا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ معاشرتی زندگی میں بھی بھرپور حصہ لیا جاتا تھا۔ یہاں شخصی آزادی بھی تھی اور فکری آزادی بھی۔ اس ریاست میں غلام تو موجود تھے لیکن غلامی ختم ہو چکی تھی جس کا عملی نمونہ حضرت بلالؓ جنہیں آپ ﷺ نے اپنا ذاتی سیکرٹری برائے خزانہ (Personal Finance Secretary) مقرر کیا اور حضرت زید بن حارثہؓ جنہیں آپ ﷺ نے غزوۂ موتہ میں سپہ سالار مقرر فرمادیا اور حضرت سلمان فارسیؓ کے مشورے پر خندق کھودنے کا فیصلہ ہوا۔ رائے رکھنے اور رائے کے اظہار کی مکمل آزادی تھی، خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ اپنے اصحاب سے مشاورت فرماتے تو اصحاب کرام رضی اللہ عنہم اپنی اپنی آراء کا کھل کر اظہار کرتے لیکن حتمی فیصلے کا اختیار نبی اکرم ﷺ کے پاس ہوتا اور جب آپ ﷺ کوئی حکم ارشاد فرمادیتے تو سب اس فیصلے پر عملدرآمد کرتے۔

نبی اکرم ﷺ نے جس معاشرے میں پرورش پائی، جوان ہوئے اور وفات پائی، وہ عرب معاشرہ تھا اور وہاں کے کلچر کو عربوں کی تہذیب کہا جاتا ہے۔ آپ ﷺ نے اس مقامی تمدن کو اپنایا، اس میں جو خامیاں تھیں، اسے دور کیا اور بہت سی روایات کو اس کی اصلی حالت میں جاری رکھا۔ مدینہ منورہ میں شادی کے موقع پر حضرت عائشہؓ کو حکم دیا کہ وہ دلہن کے ساتھ گانے بجانے والی بھیجیں، مدنی معاشرے میں عورتیں اپنے خاوندوں سے بلا تکلف باتیں کرتیں اور بعض اوقات ان پر حکم بھی چلاتیں، اس کی شکایت حضرت عمرؓ نے نبی اکرم ﷺ سے کی لیکن آپ ﷺ نے اس سے صرفِ نظر کیا حالانکہ یہ چیز مکہ مکرمہ کے معاشرتی مزاج سے بالکل مختلف تھی۔ حضرت زیدؓ، حضرت علیؓ اور حضرت جعفر طیارؓ نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے حبشہ کا کلچرل بھنگڑا اڈالا لیکن آپ ﷺ نے انہیں منع نہیں فرمایا۔ اس لیے اسلامی تہذیب ایک معجون مرکب اور مختلف الاجزاء تہذیب بن گئی جس میں مقامی معاشرتوں کے وہ سب اجزاء اور عناصر جذب کر لیے گئے جو دین کے بنیادی اعلانات کے منافی نہ تھے۔ اسلام نے ہر معاشرے کو اسلامی تعلیمات سے موافق روایات اور رسومات کو اپنانے کی اجازت دی۔ اسی لیے اس کی وسعت پذیری میں کوئی رکاوٹ پیش نہ آئی۔ اس تہذیب نے ہر مقامی تہذیب و تمدن سے استفادہ بھی کیا مگر اس کو اپنے اصولوں کے مطابق ڈھال کر اس پر بھی اسلامی تہذیب و تمدن کی مہر ثبت کر دی۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی تہذیب کثرت میں وحدت اور وحدت میں کثرت کا نمونہ پیش کرتی ہے اور اس میں وہ مشترک عنصر یقینی ہے جسے ہم اسلامی یا مسلم کہتے ہیں اور یہ نقش ہر مسلم معاشرے اور ریاست میں یکساں طور پر نظر آتا ہے۔

موضوع کی اہمیت

مغرب کی نشاطِ ثانیہ کے بعد اہلِ مغرب نے اسلام اور اسلامی تعلیمات کو اپنا سب سے بڑا حریف قرار دے دیا اور مسلمانوں کو اپنے زیرِ نگین کرنے کے لیے ایک سے بڑھ کر ایک ترکیب کرنے لگے۔ انہوں نے سیاسی میدان میں مسلمانوں کو شکست فاش دی اور اس کے بعد انہوں نے سب سے پہلا اپنا ہدف قرآن و حدیث اور سیرت النبی ﷺ کو قرار دیا۔ علماء تیار کیے جنہوں نے اس حوالے سے کتب تدوین کیں، مسلم علاقوں میں وفد (Missionaries) بھیجے گئے تاکہ مسلمانوں کے دلوں سے ان چیزوں کی محبت اور حقانیت کو ختم کیا جاسکے لیکن انہوں نے دیکھا کہ مسلمانوں کا یہ نظام بڑی مضبوط بنیادوں پر کھڑا ہے، لہٰذا یہاں انہیں ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا۔ سیاسی میدان میں فتح اور

نظریاتی محاذ پر شکست کھانے کے بعد مغربی مفکرین نے از سر نو جائزہ لینے کے بعد اسلامی تعلیمات اور اسلامی فکر پر حملہ کرنے کی بجائے تمدنی اور تہذیبی میدان کا انتخاب کیا۔ اس میدان میں انہوں نے ریشنلزم (Rationalism)، سیکولرازم (Secularism)، ہیومن ازم (Humanism)، میٹیریل ازم(Materialism)، لبرل ازم(Liberalism)، فیمنزم(Feminism)، خواتین کے حقوق(Women Rights) جیسے دلفریب و دلربا نعروں کو پوری دنیا میں متعارف کروایا جس سے مسلم دنیا کسی بھی صورت متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی تھی۔ نت نئی ایجادات اور دریافتوں نے اس میں مزید اضافہ کر دیا۔ مذہب کو ذاتی معاملہ قرار دے دیا اور اس پر عالمی قانون سازی کر کے مہر تصدیق ثبت کر دی گئی۔ انیسویں صدی میں نو آبادیاتی نظام نے مسلم دنیا کو بے بس کر کے رکھ دیا اور اس وقت انہیں اپنے تمدن سے زیادہ مذہبی تشخص کی فکر ہوئی اور انہوں نے اپنی بنیادی تعلیمات، ایمانیات اور ارکانِ اسلام، کے ساتھ چمٹے رہے اور اسی کی تبلیغ کی جانے لگی۔ ان حالات کا مغربی مفکرین نے بھرپور فائدہ اٹھایا اور ان مسلم علاقوں میں مسلمانوں کو اپنا تمدن اپنانے پر مجبور کرنے لگے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے ان مسلمانوں سے بھی کام لیا گیا جو مغربی یونیورسٹیوں سے پڑھ کر مغرب زدہ ہو چکے تھے اور مسلمانوں کی اکثریت اپنے تہذیبی تشخص کو چھوڑ کر مغربی تہذیب کو برضا و رغبت اپنانے کے لیے تیار ہو گئے۔

بیسویں صدی میں نو آبادیاتی نظام کے خاتمے اور مسلم ریاستوں کے قیام کے بعد ایک دفعہ پھر مسلمان علماء نے اپنے تہذیبی ورثے کو تلاش کرنے اور اپنانے کا کام شروع کیا لیکن ان کی رفتار سے کئی ہزار گنا زیادہ تیزی سے مغرب نے اپنا تمدن ان علاقوں میں پہنچا دیا اور اپنے تمدن کو جدید دنیا کی مجبوری بنا دیا اور اس تمدن کو نہ اپنانے والوں کو وحشی(Barbarian)، بدتہذیب (uncivilized)اور دقیانوس (dodo) کہا گیا۔ اس کے مقابلے میں مسلم علماء اور مفکرین فوری اور بھرپور طریقے سے ردعمل نہ دے سکے، جس کا لازمی نتیجہ مسلم علاقوں میں مغربی تہذیب و تمدن کا نفاذ تھا۔ عصرِ حاضر میں چونکہ اقوام کے درمیان لڑائی عسکری محاذ کی بجائے تمدنی و تہذیبی میدانوں میں لڑی جارہی ہے تو اس حوالے سے نبی اکرم ﷺ کی دی ہوئی تعلیمات میں سے ایک بطور مثال اور موضوع کی اہمیت کے تناظر میں پیش کی جاتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ جب جنگِ احزاب سے فارغ ہوئے تو آپ ﷺ نے مسجدِ نبوی میں ایک اعلان فرمایا کہ اب قریشیوں کو ہمارے خلاف جنگ کے لیے یہاں آنے کی ہمت نہیں ہوگی، اب جب بھی جائیں گے، ہم جائیں گے۔ دوسری بات آپ ﷺ نے یہ فرمائی کہ اب یہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف زبان کی جنگ لڑیں گے اور خطابت و شاعری کا محاذ گرم کریں گے اور عرب قبائل کو ہمارے خلاف بھڑکائیں گے۔ یہ فرما کر نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے پوچھا کہ اس جنگ میں کون آگے بڑھے گا؟ تین انصار صحابہ حضرت حسان بن ثابتؓ، حضرت کعب بن مالکؓ اور حضرت عبد اللہ بن رواحہؓ کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ یہ یارسول اللہ ﷺ یہ جنگ ہم لڑیں گے، چنانچہ یہ تین اور ایک اور صحابیؓ حضرت ثابت بن قیسؓ نے اس محاذ پر دشمن کا مقابلہ کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ گویا جب تلوار کی ضرورت تھی تو آپ ﷺ نے اپنے اصحابؓ کو اس کے لیے تیار کیا اور جب دشمنوں نے کسی نئے حربے سے اسلام پر حملہ کرنا چاہا تو آپ ﷺ نے اس کام کے لیے اپنے اصحاب کو تیار کیا۔ عصری تناظر میں بھی ایسی ہی حکمتِ عملی کی ضرورت ہے۔ لہٰذا سب سے زیادہ ضرورت اس چیز کی ہے کہ تمدنی محاذ پر پوری طرح توجہ مرکوز کی جائے اور پوری دلجمعی کے ساتھ اس محاذ پر بھی اسی طرح کھڑا ہوا جائے جس طرح قرآن و سنت اور فقہ کے لیے علماء، محدثین اور فقہاء نے کارہائے نمایاں انجام

دیے۔ نبی اکرم ﷺ کی ریاستِ مدینہ کا تہذیبی و تمدنی حوالوں سے از سرِ نو جائزہ لیا جائے اور مغرب کے اس غیر روایتی حملے کا جواب منبر و درگاہوں سے نکل کر اسی طرز پر دیا جائے۔ پیش نظر آرٹیکل میں انہی چیلنجز اور ان کے تدارک کا بیان کیا جارہا ہے۔

اسلامی تہذیب کو درپیش تحدیات

عصرِ حاضر میں چونکہ اہلِ مغرب نے بالخصوص اسلامی تہذیب کو ہی اپنا اولین ہدف مقرر کر دیا ہے، اور اسے ہی نشانہ بنا رہے ہیں، تو ذیل میں ان امور اور چیلنجز کا ذکر کیا جائے گا جو اسلامی تہذیب کو درپیش ہیں۔

سیکولرازم

مغربی تہذیب کا سب سے بڑا اور کارگر ہتھیار سیکولرازم ہے جس کے مطابق انسانی زندگی میں مذہب کی حیثیت بنیادی نہیں بلکہ ثانوی ہے، اس نظریہ اور نقطہ نظر کی بنیاد Rationalism نے فراہم کی۔ محققین اور فلاسفرز نے عقل کو علم کا حتمی ذریعہ مانتے ہوئے وحی، الہام اور مذہب کو مسترد کر دیا۔ ان کے نزدیک ہر وہ چیز جس کا دائرہ عقل سے باہر ہو، اس کی کوئی حقیقت نہیں اور تمام انسانی معاملات میں سائنس اور عقل بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔ چونکہ عقل صرف طبعی چیزوں کے متعلق ہی رائے قائم کر سکتی ہے، لہٰذا مذہب جو مابعد الطبیعات کے متعلق بحث کرتا ہے، اس کے متعلق کہا گیا کہ اس کو بھی عقل کی عدالت میں پرکھا جانا چاہیے۔ Locke کہتا ہے:

Revelation must be judged of by reason.[1]

"الہام کو عقل کے ذریعے پرکھا جانا چاہیے"

T.Benson سیکولرازم کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

The term secularism describes the ideology that is, and is, and has been since its inception, anti-religious.[2]

"جب سے مذہب مخالف تحریک کا آغاز ہوا ہے، سیکولرازم کی اصطلاح (مذہب مخالف) نظریہ کو بیان کرتی ہے۔"

اسلامی تہذیب کو فکری سطح پر سب سے اولین چیلنج تصورِ سیکولرازم ہے۔ اسلامی تہذیب میں الہام حصولِ علم کا حتمی ذریعہ ہے اور عقل کی حیثیت ثانوی ہے۔ ہمارے ہاں مغرب زدہ مسلم محققین اس اصطلاح کو ایک مہذب لبادہ اوڑھا کر مسلم ریاستوں میں پھیلاتے جارہے ہیں اور عوام الناس کے ساتھ ساتھ خواص بھی لاشعوری طور پر الہام کے بجائے عقل کی حاکمیت تسلیم کرتے جارہے ہیں۔ اسلام نے عقل و فکر کو حقیقت تک پہنچنے کے لیے ایک وسیلہ قرار دیا ہے اور بار بار کائنات اور اس کی پوشیدہ حقیقتوں کے لیے غور و فکر کرنے پر زور دیا ہے۔

لبرل ازم

یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ لبرل ازم ہی اسلامی تہذیب کو سب سے بڑا چیلنج ہے اور مغربی فلاسفر اسے ہی اپنی تہذیب کا سب سے بڑا عنصر قرار دیتے ہیں[3]۔ یہ آزادی کا وہ تصور ہے جو اہالیانِ مغرب نے مذہب کو اپنی زندگی سے نکال کر حاصل کیا اور اس آزادی کو بالغ تہذیب کا لذیذ ترین پھل قرار دیتے ہیں۔[4] مغرب کا یہ تصور بڑی ہی تیزی سے مسلم معاشروں میں پھیلتا جارہا ہے۔ اسلام کی دی ہوئی آزادیوں سے بے خبر مسلمان مغربی تصورِ آزادی کو ہی حقیقی اور حتمی تصورِ آزادی تسلیم کر رہے ہیں۔ اسلامی تہذیب کا تصورِ حیا اسی لبرل ازم کی بھینٹ چڑھتا جارہا ہے۔ حیاء کو اسلامی نظامِ زندگی کا طرہ امتیاز قرار دیا گیا۔[5] نبی اکرم ﷺ کا اپنا اسوہ حسنہ ایسا تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ پردہ نشین کنواری لڑکیوں سے بھی زیادہ باحیاء تھے۔[6] آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ سب سے زیادہ باحیاء ہے۔[7] جس طرح زندگی کے

دیگر معاملات میں اسلام عدل کرنے کا حکم دیتا ہے، اسی طرح لبرٹی (آزادی) میں بھی عدل کرنے کا حکم ہے، اور اس کی حدود و قیود متعین کر دی گئی ہیں۔[8] پھر اسلام اپنے اسی تصورِ آزادی میں اعتدال اپنانے کا بھی حکم دیتا ہے۔[9] اسلام انسان کو نجی معاملات سے لے کر اجتماعی معاملات حتیٰ کہ من پسند مذہب اختیار کرنے[10] کی بھی آزادی دیتا ہے۔ انسان کو انسان کی غلامی سے بچاتا ہے۔[11] معاشرے کے ہر فرد کو معاشرتی آزادی کے ساتھ معاشی آزادی بھی دی کہ وہ اللہ کی زمین میں محنت کرے اور ترقی کرتا جائے۔[12] زندگی کے ہر معاملے میں انسان کو حدود و قیود کے ساتھ آزادی دی گئی اور اسے یہ بھی اجازت دی گئی کہ وہ ان آزادیوں سے لطف اندوز ہو سکتا ہے۔ لیکن مغربی تہذیب کے دلدادوں اور متاثرین کی طرف سے مسلم معاشروں میں بھی حیاء کو جہالت اور دورِ جدید کے تقاضوں کے خلاف گردانا جا رہا ہے اور نجی و ذاتی معاملات سے معاشرتی و قومی معاملات تک، لباس سے خوراک اور پہننے سے کھانے تک کے طریقوں، آدابِ ملاقات سے تربیتِ اولاد اور خانگی معاملات میں مغربی تہذیب کو ہی ایک آئیڈیل نظام کے طور پر پیش کر کے اسلامی تعلیمات کو دورِ جاہلیت کی عکاس اور جدیدیت سے دور قرار دے دیا گیا ہے۔

سرمایہ دارانہ نظام

مغرب نے اپنے معاشی نظام کی بدولت دنیا کی تمام معیشتوں میں ایک نمایاں مقام حاصل کیا۔ اہلِ مغرب نے اسے انسانوں کا نجات دہندہ قرار دے کر تمام دنیا کے سامنے پیش کیا۔ چونکہ مغربی تہذیب کے دلدادہ ہر شے میں مغرب کی نقالی کو ہی انسانیت کی معراج قرار دے رہے تھے تو معاشی نظام میں بھی سرمایہ دارانہ نظام (Capitalism) کو اپنی ریاستوں میں نافذ کرنے کے لیے بھرپور معاونت فراہم کی۔ اس نظام نے جہاں اسلامی تہذیب کے بنیادی عنصر روحانیت کی بنیادوں میں دراڑیں پیدا کیں، وہیں اخلاص، محبت، ایثار اور ہمدردی جیسی چیزوں کو بھی مادیت پسندی کی نذر کر دیا گیا۔ سیکولرازم کے تصور پر مبنی تہذیب نے اس معاشی نظام کی بدولت مذہب اور معیشت کی راہیں مزید دور کر دیں۔ مغربی مفکرین نے مادہ پرستانہ فلسفہ کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ اس نظام میں مادہ پہلا درجہ رکھتا ہے اور روحانیت کی حیثیت ثانوی ہے۔[13] یہ فلسفہ بنیادی طور پر وجودِ خدا کے انکار کے نتیجے کے طور پر معرضِ وجود میں آیا۔ اس فلسفے میں الہام، وجدان اور مذہب کا کسی بھی حوالے سے کوئی کردار نہیں ہو سکتا۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کا مقالہ نگار سرمایہ دارانہ نظام کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"Materialism is thus opposed to philosophical dualism or idealism and, in general, to belief in God, in disembodied spirits, in free will or in certain kinds of introspective psychology. Materialistic views insist upon settling questions by reference to public observation and not to private intuitions. Since this is a maxim which scientists must profess within the limits of their special inquiries, it is natural that philosophies which attach the highest importance to science should lean toward Materialism[14]".

اس نظام کی بدولت صرف ایک ہی چیز سب سے مقدم مانی جاتی ہے اور وہ ہے، ذاتی مفاد۔ اس معاشی نظام کی بدولت دنیا کو ایک قابلِ رحم جگہ بنا دیا گیا۔ دنیا میں دو عظیم جنگیں (World Wars) اسی معاشی نظام کی وجہ سے لڑی گئیں جس میں لاکھوں افراد مارے گئے۔ اقوام کے درمیان نفرت کے ایسے بیج بو دیے گئے جو کسی بھی طرح ختم نہیں ہو سکتے۔ ایک ہی ریاست میں رہنے والے باشندوں کو امیر و غریب، اونچے درجے اور نچلے درجے کے انسانوں میں تقسیم کر دیا۔ اسی کی بدولت اسلامی تہذیب میں متعین شدہ مساواتِ انسانی[15] کو تار تار کر دیا گیا۔ اسلامی تہذیب کے اصولِ عدل بھی اس فلسفے کی نذر ہو تا جا رہا ہے۔ اسی نظریے اور فلسفے کی بدولت فحاشی اور بے حیائی عروج پر ہے۔ زیادہ دولت کی ہوس اور حرص نے اخلاقی قدروں کو پامال کر دیا۔ سرمایہ دارانہ ذہنیت کی وجہ سے فحش ڈرامے اور فلمیں آرٹ کا درجہ پا گئیں اور ان فلموں میں

حصہ لینے والے اس بنیاد پر انعامات کے حقدار قرار دیے جاتے ہیں کہ اس فنکار اور فنکارہ نے اپنی اداؤں سے لوگوں کی نفسانی خواہشات کو زیادہ ابھارا۔ معاشروں میں حیاء مفقود ہو کر رہ گئی اور اس کی جگہ بے حیائی اور فحاشی لیتی جا رہی ہے۔ مسلم ریاستوں میں بھی سرمایہ دارانہ نظام کو اپنالیا گیا ہے اور وہ تمام برائیاں اور خرابیاں جن سے مغربی معاشرے دوچار ہیں، مسلم معاشرے ان سب برائیوں کو لاشعوری طور پر قبول کر چکے ہیں جس سے اسلامی تہذیب بُری طرح متاثر ہو رہی ہے۔

حقوقِ نسواں

خواتین کے حقوق کے نام کا دلفریب نعرہ اسلامی تہذیب کی بنیادوں کو ہلا چکا ہے۔ اس تحریک نے مغربی خواتین کو تو بہت زیادہ حقوق دیے اور ان کی ترقی و فلاح میں اہم کردار ادا کیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ چودھویں صدی میں عورت کو تمام برائیوں کی جڑ قرار دیا جاتا تھا۔ اس کے جسم کو شیطانی جسم قرار دیا گیا۔ یہاں تک کہ اس کے تمام اعضاء کو گناہ کا آلہ کار سمجھا جاتا[16] اور اس کے جسم کے اعضاء کو کاٹنا ایک معمولی کام تھا۔[17] 1949ء میں سیمن ڈی بیووائر نے The Second Sex، بیٹی فرینڈن نے 1963ء میں The Femine Mystique، اور دیگر مصنفین نے حقوقِ خواتین جیسی کتب لکھ کر اس تحریک کو مزید پھیلا دیا اور یہ تحریک مغربی ممالک سے نکل کر مشرقی، افریقی اور تیسری دنیا کے ممالک تک پہنچ گئی۔ 1980ء کے بعد اس تحریک میں ایک بہت بڑی تبدیلی آئی اور اس میں جنسی معاملات کو بھی اس میں شامل کر لیا گیا اور اس میں جنسی ناانصافی اولین اور بنیادی عنصر کے طور پر شامل کیا گیا۔ لیلیٰ احمد Feminism کو استعماریت کا ایک ہتھیار قرار دیتی ہیں[18]۔

اسلامی تہذیب میں خاندانی نظام کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اسلام نے مرد و عورت دونوں کو باہم عدل پر مبنی حقوق دیے ہیں۔ خواتین کو جہاں زندہ رہنے کا حق دیا، وہیں والدین پر فرض قرار دیا کہ ان کی تعلیم و تربیت کریں[19]، ان کی شادی کریں۔ عورتوں کو اپنی مرضی کی شادی کا حق دیا گیا[20]، یہ بھی حق دیا کہ اگر والدین ان کی مرضی کے بغیر ان کی شادی کر دیں تو وہ اس نکاح کو ختم کر سکتی ہیں[21]۔ انہیں حقِ خلع دیا گیا[22]، طلاق کے بعد دوسری شادی کا حق دیا اور اس میں کسی کی طرف سے بھی زبردستی کو ممنوع قرار دیا گیا۔[23] لیکن اس تحریکِ حقوقِ نسواں نے جس طرح مغربی معاشروں میں خانگی نظام کو برباد کر دیا، اسی طرح بڑی ہی مستعدی اور حکمتِ عملی کے تحت خواتین کے حقوق کے نام سے مسلم معاشروں میں انتہائی مضبوط بنیادوں پر قائم خاندانی نظام کو تباہ کرنے کے لیے اسلامی تہذیب پر مسلسل حملے کیے جا رہے ہیں۔ 'عورت مارچ' کے مواقع پر ہونے والے مظاہرے، اس میں شامل ہونے والی نوجوان لڑکے و لڑکیاں اور اس میں ہونے والی سرگرمیاں خصوصی طور پر مسلم معاشروں اور اسلامی تہذیب کے لیے قابلِ تشویش ہیں کہ یہی نوجوانات مسلم معاشروں کے مستقبل کی نسلوں کی آبیاری کرنے والے ہیں۔ جدید مغربی تہذیب میں عورت کے کردار اور حقوق کے سلسلے میں افراط و تفریط پائی جاتی ہے۔ اس کی صلاحیتوں، خوبیوں اور ذمہ داریوں کو کمتر سمجھا گیا۔ مال و زر کی ہوس غیر اسلامی معاشرت کا خاصّہ ہوتی ہے جس کی وجہ سے حلال و حرام کی تمیز کم ہو جاتی ہے۔

مخلوط معاشرت

اسلامی تہذیب کو ایک اور درپیش مشکل یہ ہے کہ مغربی تہذیب میں اختلاطِ مرد و زن کا تصور بڑے زور و شور سے مسلم ممالک میں پھیلتا جا رہا ہے اور اسے ہی کامیابی کا حتمی ذریعہ بھی قرار دیا جا رہا ہے۔ اس فلسفے کو بڑے ہی خوبصورت پیرایہ میں، صنفی مساوات، کا نام دیا جاتا ہے اور اگر کہیں پر یہ اختلاط نہ ہو تو اسے صنفی مساوات کے خلاف سمجھ کر اس معاشرے اور قوموں کو بُرے القابات سے نوازا جاتا اور اسے بنیادی انسانی حقوق سے متصادم قرار دیا جاتا ہے۔ اس تصور نے اتنی ترقی کر لی کہ اب ان اداروں کو غیر مہذب اور دقیانوس کہا جاتا ہے جہاں صنفی اختلاط نہ ہو۔ اس مخلوط معاشرت نے معاشرے کے ہر میدان میں اپنے پنجے گاڑھے ہیں خواہ وہ معاشی میدان ہو، تعلیمی ہو یا ثقافتی، سیاسی ہو یا

ادبی، مقامی ہو یا بین الاقوامی، ہر جگہ پر مرد و عورت کی ایک بے ہنگم ملی جلی معاشرت نگاہوں میں رہتی ہے۔ مغربی تہذیب کو ایک کامل نمونہ کے طور پر اختیار کیا جارہا ہے۔ وہ نظامِ تعلیم جہاں پر بچے اور بچیاں الگ الگ تعلیم حاصل کریں، اسے نوجوانوں کی ترقی میں رکاوٹ قرار دیا جارہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلم ممالک نے بھی مخلوط نظامِ تعلیم کو اپنالیا ہے۔ اس سے نوجوان نسل کو صنفِ مخالف سے آزادانہ ملنے کے مواقع اور سہولیات میسر آئیں جس نے بے راہ روی اور بے حیائی کو عام کر دیا۔ اسی طرح معاشی ضروریات کے حصول کے لیے صنفِ نازک کو مخلوط ماحول میں آنے سے بھی معاشرتی حیاء و شرم کے پردے چاک کر دیے گئے۔ اس تصور نے جہاں اسلامی معاشرے میں صنفی امتیاز کو بُری طرح مجروح کیا ہے، اسی طرح خاندانی نظام بھی تباہی کی طرف رواں دواں ہے۔ اسلامی تہذیب کی بقاء میں یہ تصور ایک بہت بڑی رکاوٹ بن رہا ہے۔

اباحیت پسندی

مغرب کو فکر و نظر کی بے اعتدالی اور گمراہی کی جن نوع بہ نوع صورتوں نے فحاشی اور بے حیائی کے اس گڑھے تک پہنچایا اور اس وقت عملی طور پر جو تصور سب سے زیادہ اسلامی تہذیب کو نقصان پہنچا رہا ہے وہ اباحیت پسندی کا کلچر ہے۔ اب مسلم معاشروں میں عوام الناس کے ساتھ خواص بھی ہر شے کو مباح اور جائز قرار دیتے نظر آتے ہیں۔ اس سارے نظریے کی واحد وجہ مغربی روایات کا تسلط ہے جس نے پورے عالم کو اپنی لپیٹ میں لیا ہوا ہے۔ مولانا سلطان احمد اصلاحی اباحیت پسندی کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اباحیت پسندی کا مطلب خاص طور پر انسان کا اپنی جنسی زندگی میں ہر طرح کی قید و بند اور پابندی و رکاوٹ سے آزاد ہونا ہے۔ چنانچہ لغت میں اس کی جو تعریف بیان کی جاتی ہے، اس میں سماجی برتاؤ اور سماجی تبدیلیاں بھی اگرچہ اس کے دائرے میں آتی ہیں لیکن بے قید جنسی زندگی ان سب پر نمایاں ہے جس نے دوسرے تمام پہلوؤں کو بالکل دبالیا ہے۔ زیادہ سے زیادہ جنسی آزادی کے ساتھ ہم جنس پرستی کی آزادی کا اصلاحی قانون، سینما کی دنیا میں سنسر شپ کا خاتمہ، ان موضوعات پر بے تکلف اور کھلا بحث و مباحثہ جن پر اب تک اظہار خیال کی پابندی تھی وغیرہ بہت سی چیزیں اس میں شامل ہیں۔ چنانچہ اباحی معاشرہ اس معاشرہ کو کہا جاتا ہے جس میں آزادی کی یہ نعمتیں خاص طور پر حاصل ہوں۔"[24]

مسلم معاشروں میں اباحیت پسندی کے حامیان اس کو ثابت کرنے کے لیے کبھی شخصی آزادی کا نعرہ لگاتے ہیں، کبھی باہمی رضامندی اور کبھی جمہوری اقدار کا نعرہ لگاتے نظر آتے ہیں۔ جدید مسلم مفکرین کا نقطہ نظر ہوتا ہے کہ چونکہ قرآن میں فلاں چیز حرام ہے اور اس کام میں وہ شے تو شامل نہیں ہے، لہٰذا یہ جائز ہیں، گو وہ افعال اس حرام شے کی حرمت کے اسباب میں سے ہوں۔ اسلامی احکام میں صرف جرم یا گناہ کی ہی ممانعت نہیں کی جاتی بلکہ اس میں مبتدیات کے فرائض انجام دینے والے افعال کی بھی ممانعت کی جاتی ہے۔ مثلاً اسلام میں زنا کو ایک قبیح جرم قرار دیا گیا[25] اور اس سے بچاؤ کو کامیابی کی ضمانت قرار دیا گیا[26]۔ اسلامی تعلیمات کے مطالعہ سے واضح طور پر یہ چیز سامنے آتی ہے کہ اس خاص فعل (زنا) کے اسباب بننے والے مبتدیات سے بھی منع کیا گیا۔ مرد و خواتین کو کہا گیا کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں[27]، خواتین کو پردے کا اہتمام کرنے کا حکم دیا گیا[28]، مخلوط محافل کی ممانعت کی گئی[29]۔

اس نظریے کا اصل ہدف جنسی بے راہ روی کو عام کرنا ہے، لہٰذا شادی جیسے مقدس ادارے کو محض جنسی اختلاط تصور کر کے اس میں نکاح اور شادی کو ختم کرنے کی خوب کوششیں جاری ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اب مغرب کی نقالی کرتے ہوئے مسلم معاشروں میں بھی باقاعدہ طور پر والدین کی باہمی رضامندی سے شادی سے قبل لڑکا اور لڑکی کو ایک دوسرے کو سمجھنے کے لیے اکٹھا رہنے کی اجازت دی جارہی ہے اور اس پر جو مشہور زمانہ دلیل یہی دی جاتی ہے کہ جب شادی کے بعد ساری زندگی ان افراد نے اکٹھا گزارنی ہے تو کچھ دن اگر پہلے بھی گزار لیے جائیں تو اس میں مضائقہ کیا ہے؟ اس میں مضائقہ یہی ہے، جو اقبال نے تہذیبوں کے تصادم کے نظریے کے نتیجہ میں کہا تھا:

بدل جاتا ہے غلامی میں قوموں کا ضمیر   تھا جو ناخوب بتدریج وہی خوب ہوا

اس تصور نے مسلم معاشروں اور اسلامی تہذیب کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ جنسی آوارگی میں نہ صرف یہ کہ شادی سے قبل جنسی اختلاط کو جائز سمجھا جاتا ہے بلکہ ہم جنس پرستی کو بھی اسی زمرے میں دیکھا جارہا ہے کہ جب جانبین کی طرف سے رضامندی موجود ہے تو پھر مذہب یا کوئی بھی فرد یہ اختیار نہیں رکھتا کہ افراد کو اپنی مرضی کرنے سے روکے۔

بنیادی انسانی حقوق کا تصور

موجودہ معاشروں میں چونکہ ابھی بھی عملی نہ بھی ہو تو بھی مغربی تسلط نظری طور پر موجود ہے۔ مغرب میں "بنیادی انسانی حقوق کا عالمگیر منشور1948ء"(Universal Declaration of Human Rights 1948) کو انسانیت کی معراج سمجھا جاتا ہے۔ اقوامِ متحدہ کے تمام ارکان نے اس اعلامیہ پر دستخط کرکے اس چیز کی تصدیق کی ہے کہ جملہ ارکان اس منشور کو اپنے ممالک میں نافذ کرنے کے پابند ہوں گے۔ اس منشور میں بہت سی چیزیں ایسی بھی ہیں جو اسلامی تعلیمات کے منافی ہیں لیکن اس تنظیم کے رکن ہونے کی حیثیت سے مسلم ممالک کے حکمران ان پالیسیوں کو اپنے ممالک میں نافذ کررہے ہیں جس سے اسلامی تہذیب شدید خطرات سے دوچار ہے۔ مغربی تہذیب کے انسانی حقوق کا تنقیدی نکتہ نظر سے مطالعہ کیا جائے تو سب سے پہلا جو نکتہ اٹھتا ہے کہ اس میں انسان کو دیے گئے حقوق میں قوتِ نافذہ معدوم ہے، اس میں حقوق کی تو بات کی گئی لیکن جس نے یہ حقوق ادا کرنے ہیں، اس کا کوئی تذکرہ ہی نہیں۔ اسلامی تہذیب میں والدین کے حقوق کی بات کے بجائے اولاد کے فرائض پر بحث کی گئی[30]۔ اولاد کے حقوق کے بجائے والدین کے فرائض بتادیے گئے[31]۔ بڑوں کو چھوٹوں سے پیار کا حکم دیا گیا تو چھوٹوں کو بڑوں کے ادب کا حکم دیا گیا[32]۔ اسی طرح دیگر طبقہ ہائے حیات کا ذکر کیا گیا ہے۔ مغربی انسانی حقوق میں ظالم و مظلوم، متقی و جابر کو یکساں عزت کا حقدار گردانا گیا ہے جو کہ انسان کی فطرت کے ہی خلاف ہے جبکہ اسلام نے ظالم کے لیے اس کے ظلم اور جرم کے مطابق سزائیں رکھی ہے۔ اسلام کا نظامِ جرم و سزا اسی لیے نافذ کیا جاتا ہے۔

ابلاغ ذرائع کا کردار

مسلم معاشروں میں مغربی تہذیب کے پھیلاؤ میں سب سے بڑا کردار میڈیا نے ادا کیا ہے۔ مغربی تہذیب کے علمبرداروں نے بھی اپنے مقصد کے لیے سب سے پہلے میڈیا کو ہی اپنی تہذیب کے پھیلاؤ کا ہتھیار بنایا۔ اسی ہتھیار کے ذریعے مغربی دانشوروں نے پورے عالم کو یہ باور کروایا کہ علم و دانش کی اصل کنجی انہی کے پاس ہے، تہذیبوں کے درمیان جامع اور جدید تہذیب بھی انہی کی وراثت ہے اور یہی جدید تہذیب کے بانی ہیں، اگر تم بھی علم و حکمت کی معراج کو پانا چاہتے ہو، تو تمہیں مغربی اصولوں اور اس کے طرزِ حیات کو اپنانا ہوگا۔ اس فکر کو مسلم معاشروں میں مغربی تہذیب کے مسلم نمائندوں نے بڑی مہارت سے پیش کیا اور اپنے آقاؤں سے دادِ تحسین کے ساتھ دادِ تعیش بھی وصول کیا۔ اسلامی تہذیب کو درپیش درج بالا تمام تحدیات میں سب سے بڑا چیلنج جدید میڈیا ہے۔ میڈیا پر ایسے پروگرامز نشر کیے جاتے ہیں جو اسلامی تہذیب کی نہ صرف مخالف سمت میں کھڑے ہوتے ہیں بلکہ اسی کے ذریعے مغربی تہذیب اور مغربی ایجنڈا بڑی ہی مستعدی کے ساتھ عوام الناس کے ذہنوں میں ڈالا جارہا ہوتا ہے۔ لایعنی خبریں، مذہب بیزار تبصرے، اخلاقیات سے عاری پروگرامز، ہیجان زدہ ڈرامے، فطرت انسانی کے منفی رجحانات پر مبنی فلمیں، مغربی میڈیا کی نقالی کو ہی جدید میڈیا مان لیا گیا ہے جس سے جھوٹ، بہتان، دشنام طرازی، بے حیائی، فحاشی، مایوسی، غلامانہ فکر اور مذہب سے دوری بڑھتی جارہی ہے۔ اسلام میں ابلاغ کی ذمہ داری انبیاء کو سونپی گئی جن کا کام اخلاقیات پر مبنی معاشرے کی تشکیل جو حقیقتِ کائنات کو جان چکا ہو۔ اسلام میں ابلاغ کے اصول جو بیان کیے گئے ہیں، ان میں اولین اصول یہ ہے کہ بات سچی ہونی چاہیے[33]

اور اگر کہیں سے کوئی خبر موصول ہو، تو اس کی خوب تحقیق کی جائے تا کہ غلط بات پر کوئی ایسا فعل سرزد نہ ہو جائے جس سے نقصِ امن پیدا ہو[34]۔ تحقیق کے بغیر بات پھیلانے والے کو جھوٹا قرار دیا ہے[35]۔ ایسی باتوں کے پیچھے پڑنے سے منع کیا گیا، جس کے متعلق انسان کو علم نہ ہو[36]۔ فحاشی نہ پھیلائی جائے[37]۔ لیکن جدید میڈیا نے مغربی اصولوں کو ہی حرفِ آخر تسلیم کر لیا اور انہی کی تہذیب کو اپنے چینلوں پر دکھا رہے ہیں۔

اسلامی تہذیب کو درپیش تحدیات کا تدارک کے لیے تجاویز

درج بالا چیلنجز سے نمٹنا اہلِ اسلام اور بالخصوص اہلِ علم کے لیے ایک مشقت طلب امر ہے۔ اس چیلنج کا سامنا کرنے کے لیے ہر طبقہ ہائے فرد کو نہ صرف نظریاتی بنیادوں پر بہت زیادہ کام کرنے کی ضرورت ہے بلکہ اس کے لیے عملی طور پر کام کرنے کا ایک وسیع میدان موجود ہے۔ اس کے لیے جذبے کے ساتھ ساتھ طریقہ کار، حکمت، اہلیت اور صلاحیت کے ساتھ انفرادی طور کے بجائے اجتماعی طور پر کام کرنا ہو گا۔ اسی ضمن میں ذیل میں چند تجاویز درج کی جا رہی ہیں

1. اسلامی تہذیب کو درپیش مسائل سے نمٹنے کے لیے اسلامی تعلیمات کا مطالعہ تہذیبی روایات کو سامنے رکھ کر کیا جائے۔ نبی اکرم ﷺ کی تعلیمات سے یہ چیز وضاحت کے ساتھ سامنے آتی ہے کہ بڑے زیادہ مقامات پر آپ ﷺ نے تہذیبی روایات کو نہ صرف قبول کیا بلکہ اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ وہ ان روایات پر عمل پیرا ہوں۔ بنی تمیم کے وفد نے آکر عرض کیا کہ ہم شاعری اور خطابت میں مسابقت کے خواہاں ہیں۔ اگر آپ کے شاعر اور خطیب نے ہمارے شاعر اور خطیب کو شکست دے دی تو ہم اسلام قبول کر لیں گے۔ آپ ﷺ نے ان کے اس چیلنج کو قبول کیا اور ان سے مقابلہ کے لیے اپنے اصحاب کو طلب کیا جنہوں نے بنی تمیم کے شاعر اور خطیب کو شکست دی۔ تھوڑا سا غور کیا جائے تو شاعری اور خطابت کے مقابلے کا اسلام کی حقانیت سے بظاہر کوئی تعلق نہیں بنتا۔ شاعری اور خطابت میں مسابقت و مقابلے عرب تہذیب کا ایک جزو لازم تھے۔ لہٰذا آپ ﷺ نے عربوں کی تہذیبی روایت کا احترام کیا اور ان سے شاعری اور خطابت میں مقابلہ کیا گیا۔
2. اس آفت سے نپٹنے کے لیے قرآن و حدیث کے پیش کردہ اصول و تجاویز کو اپنایا جائے۔ حرمتِ شراب کو اس حوالے سے ایک بہترین مثال کے طور پر سامنے رکھا جائے۔ نکاحِ متعہ کے متعلق پہلے دن ہی حرمت کا حکم نہیں دے دیا گیا بلکہ پہلے سوسائٹی کو اس کام کے لیے تیار کر دیا گیا اور پھر 6 ہجری کو غزوہ خیبر کے موقع پر اس کو حرام قرار دیا گیا۔ غزوہ حنین میں ایک دفعہ پھر سے اس کی اجازت دی گئی اور اس کے بعد حتمی طور پر حرام کر دیا گیا۔
3. اسلام کی تبلیغ ایک مذہب کے بجائے بطور ایک نظام کے کی جائے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اس میں جو وسعت عطا کی ہے، اسے اسی وسعت کے ساتھ مسلمانوں کے سامنے پیش کیا جائے۔ علاقائی اور خود ساختہ پابندیوں کو اسلامی پابندیاں قرار دینے کے بجائے برملا اس بات کا اظہار کیا جائے کہ یہ پابندیاں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے نہیں ہیں۔
4. خاندانی نظام کو مزید مربوط بنایا جائے اور اس کے لیے بچوں کی شروع سے ہی ایسی تربیت کی جائے جس میں خاندان کی اہمیت اور افادیت کو شروع سے ہی ان کے اذہان میں بٹھا دیا جائے۔ والدین اور بچوں کے درمیان پیدا ہونے والی خلیج کو ختم کرنے کی از حد ضرورت ہے۔

5. معاشرے اور نئی نسل میں حیاء جیسی صفت کے فوائد کو اجاگر کیا جائے۔ اس کے لیے گھر کا ماحول ایسا بنانا ہو گا کہ نئی نسل کو شروع سے ہی ایسا ماحول میسر آئے جس میں بے حیائی، فحاشی اور بد تہذیبی کو بچپن سے ہی برا سمجھا جائے۔

6. زمینی حقائق کو سامنے رکھتے ہوئے پالیسی ترتیب دی جائے۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر صلح تحریر کرتے ہوئے سہیل بن عمرو کا "محمد رسول اللہ" کے بجائے "محمد بن عبداللہ" پر اصرار اور نبی اکرم ﷺ کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سہیل کے مطالبے پر "محمد بن عبداللہ" لکھنے کا فرمانا حکمت، دوراندیشی اور زمینی حقائق پر مبنی تھا۔ جبکہ مکہ میں دیکھا جائے تو نبی اکرم ﷺ اور اصحابِ رسول اللہ ﷺ نے اسی کلمہ کی بنیاد پر بے تحاشا ظلم برداشت کیے لیکن اس معاہدے میں وہ تمام چیزیں بظاہر یکسر پس پشت ڈالتے ہوئے فی الوقت صلح و امن کے راستے کو اپنایا گیا۔ ایک مبتدی اس واقعے کو دیکھ کر یہ کہہ سکتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے تو اپنے بنیادی مطالبے کو ہی فراموش کر دیا۔ جبکہ سیرت پر گہری نظر رکھنے والے جانتے ہیں کہ فی الواقعہ اس حکمتِ عملی کو اپنانے کے کتنے دوررس نتائج حاصل کیے گئے۔

7. اعتدال کا راستہ اختیار کیا جائے۔ کسی بھی چیز کو یکسر نظر انداز یا فوری قبول کے بجائے اس پر غور و خوض کیا جائے۔ اس کی منفعت اور مضر اثرات کا بغور جائزہ لیا جائے اور اس کے بعد رد یا قبول کیا جائے۔

8. اس چیز کی ضرورت اور افادیت کو سمجھا جائے کہ جب تک ہم مسلمانوں کو مغربی تہذیب کی بنیادوں اور ان کے اغراض و مقاصد کو نہ سمجھا سکے، یہ اسلامی تہذیب کے پرخچے اڑادے گی اور مسلمان محض کلمہ طیبہ کی حد تک مسلمان رہ جائے گا۔ بقول اقبال

9. ؎ ملا کو ہے ہند میں سجدے کی اجازت　　　　ناداں سمجھتا ہے اسلام ہے آزاد

10. اس چیلنج کا مقابلہ کوئی ایک فرد یا ایک جماعت نہیں کر سکتی بلکہ پوری سوسائٹی اور پورے معاشرے کو مل کر اس کا مقابلہ کرنا ہو گا۔ نبی اکرم ﷺ کی سیرت کو محض زبانی دادِ تحسین کے بجائے اپنی زندگیوں اور ریاستی مشینری میں عملی طور پر اپنانا ہو گا۔

حواشی وحوالہ جات

[1] Locke, John, An Essay Concerning Human Understanding, (Samuel Marks, New York, 1825.), 2/178
[2] Benson,T. Lain, Considering Secularism., Recognizing religion in a secular society: (McGill-Queen's Press, Canada, 2004), p. 85
[3] Orland Patterson, "Freedom in the making of western Culture", (Basic Books, New York, 1991), p: 1
[4] Jong Emrich Edward, "The History of freedom and other essays", (MacMillan and Co., London, 1907), p: 1

[5] ابن ماجہ، محمد بن یزید، سنن ابن ماجہ، کتاب الادب، باب الحیاء، الرقم:4181

Ibn-Mājah, Sunan Ibn Mājah, Kitāb Al Adab, Bāb-al-Hayā, No.: 4181

[6] البخاری، صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب صفۃ النبی ﷺ، الرقم:3562

Al Bukhāri, Sahīh al Bukhari, Kitāb al-Manāqib, Bāb Sifāt al-Nabi, Hadīth Number: 3562

[7] البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، کتاب التوحید، باب قول النبی ﷺ: لا شخص اغیر من اللہ، الرقم:7416

Al Bukhāri, Sahīh al Bukhari, Kitāb al Tawuhid, Bāb Qawl Al nabī: Lā Shakhsa aghyar min Allāh, Hadīth Number: 7416

[8] القرآن، 58:4

AlQurān4: 58

[9] القرآن، 141:6، القرآن، 9:16

AlQurān6: 141, Al-Qurān16: 9

[10] القرآن، 256:2، القرآن، 88:22-2

AlQurān2: 256, Al-Qurān88:2-22

[11] متقی ہندی، کنز العمال، 12/ 661-660، الرقم:36010

Muttaqī Hindī, Kanz-ul-Ummāl, Hadīth Number: 36010, Vol: 12, P: 660-661

[12] القرآن، 15:68

AlQurān68: 15

[13] The Concise Encyclopedia of Western Philosophy and Philosophers, (Hutchinson, London, 1960), P: 253-254
[14] Encyclopedia Britannica, 7/930

[15] القرآن، 1:4

AlQurān4: 1

[16] Robert Muchembled, A History of the Devil, p: 46-47
[17] Christopher Hibbert, The Roots of Evil, p: 5
[18] Leila Ahmad, Woman and Gender in Islam, (Yale University Press, U.S.A, 1993), p: 252

[19] ابن ماجہ، سنن ابن ماجہ، مقدمہ، باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم، الرقم:224

Ibn-Mājah, Sunan Ibn Mājah, Muqadima, Bāb fadl al ulamā,, No.: 224

[20] بخاری، الجامع، کتاب النکاح، باب فی النکاح، الرقم:6970

Al Bukhāri, Sahīh al Bukhari, Kitāb al-Nikāh, Hadīth Number: 6970

[21]بخاری، الجامع، کتاب النکاح، باب اذازوج ابنتہ وھی کارھۃ فنکاحہ مردود، الرقم:5138
Al Bukhāri, Sahīh al Bukhari, Kitāb al-Nikāh, Hadīth Number: 5138
عبد الرزاق، المصنف، کتاب النکاح، باب مایکرہ علیہ من النکاح فلا یجوز، الرقم:10306
Abd al Razzāq, Al Musannaf, Kitāb al-Nikāh, Hadīth Number: 10306

[22]القرآن،229:2
AlQurān2: 229

[23]القرآن،230:2
AlQurān2: 230

[24]سلطان احمد اصلاحی، اباحیت پسندی کا نظریہ، تحقیقات اسلامی، شمارہ:3، 1988، ص:95-94
Sultān Ahmad Islāhī, Ibāhiyat pasandī kā Nazria, Tehqīqāt e Islāmi, No. 3, 1988, pp. 95-94

[25]القرآن،32:17
AlQurān17: 32

[26]القرآن،23:5-4
AlQurān23: 4-5

[27]القرآن،24:31-30
AlQurān24: 30-31

[28]القرآن،33:59
AlQurān33: 59

[2929]بخاری، الجامع، کتاب النکاح، باب لایخلون رجل بامراۃ الاذو محرم، والدخول علی المغیبۃ، الرقم:5232
Al Bukhāri, Sahīh al Bukhari, Kitāb al-Nikāh, Hadīth Number: 5232

[30]القرآن،17:24-23
AlQurān17: 23-24

[31]القرآن،233:2، القرآن،151:6
AlQurān2: 233, Al-Qurān6: 151

[32]ابو داؤد، سلیمان بن اشعث، سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی الرحمۃ، الرقم:4943
Abū Dawūd sulaimān bin ashaas sajistānī, sunan abū dawūd, kitāb ul adab, Bab Fi Rahmah, Hadith No: 4943

[33]القرآن،33:70
AlQurān33: 70

[34]القرآن،49:6
AlQurān49: 6

[35]مسلم، ابن حجاج القشیری، الصحیح، مقدمۃ الامام مسلم، باب النھی عن الحدیث بکل ما سمع، 1/10
Muslim bin hajjāj qushāirī, Sahīh Muslim, Bab Al Nahi An Al hadith Bi kul ma samia, Vol:1, P:10

[36] القرآن،36:17

AlQurān17: 36

[37] القرآن،28:7

AlQurān7: 28